



جلد 02 شماره 16، 2023

Article

Narcissism in Pakistani Urdu Fiction: Factors and Manifestations

پاکستانی اردو فکشن میں نرگسیت: عوامل و مظاہر

Muhammad Anwar Haris ^{*1}, Dr. Fazeelat Bano²¹ Ph.D Scholar, Minhaj University Lahore² Assistant Professor Minhaj University Lahore*Correspondence: harisanwarmalik@gmail.comمحمد انور حارث¹، ڈاکٹر فضیلت بانو²¹ پی ایچ ڈی سکالر، منہاج یونیورسٹی لاہور، ² اسسٹنٹ پروفیسر منہاج یونیورسٹی لاہور

eISSN: 2073-3674

pISSN: 1991-7813

Received: 15-09-2023

Accepted: 17-11-2023

Online: 20-12-2023



Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license

Abstract: Narcissism is a term derived from an ancient Greek mythological story in which a man wears a self-reflection device through a mirror. Psychologically, narcissism plays a key role in human personality. In the twentieth century, through modern scientific research, psychologists have come to the conclusion that narcissistic tendencies play a major role in the ups and downs of human behavior. Narcissism is a psychological phenomenon that ranges from self-loathing, egotism, intense mental anxiety and intense feeling of love to sexual tendencies of beauty and love. The subconscious beauty of intellect and madness and the talisman Hosh Riba of love and sensuality seek the interpretation of melodious dreams. In the 20th century, the phenomenon of narcissism at the psychological level has affected our society and society. The formation of Urdu fiction is an arc of coloring of various elements embellished with the factors of narcissistic emotions and feelings. In which the fiction writers have presented the psychological and mental situation of their characters. Therefore, possible manifestations of these narcissistic tendencies and psychological conflicts are well presented in Urdu fiction.

Keywords: Greek mythology, Reflecting mirror, Human behavior, Narcissism, Self-persecution, Egoism, Mental anxiety, Society, Fiction, Psychological conflict.

ادب انسانی حیات کے تجربات و مشاہدات کے فنکارانہ اظہار سے عبارت ہے۔ ادب کے تخلیقی عمل میں زندگی کی بنی بگڑتی تصاویر اور ان تصویروں کے گرد گھومتے انسانی احساسات و محسوسات اور رجحانات و میلانات ایک قدر کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کسی بھی خطے کی زبان سے جڑے الفاظ و کلمات اس کی شبیہ بناتے ہیں۔ لفظ کا حُسن اور اس کی توانائی اس کے صحت استعمال میں پنہاں ہے۔ اس کے غلط استعمال سے نہ صرف غلط مباحث کا اندیشہ رہتا ہے بلکہ بعض اوقات بڑی گمراہیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ خصوصاً وہ الفاظ جو لغوی اور اصلاحی مفہوم میں مستعمل ہوں۔ اُردو کی ادبی دنیا اس ضمن میں غیر محسوس کوتاہیوں کا شکار رہی ہے۔ مثلاً علامت، تمثیل نگاری، شبیہ سازی، پیکر تراشی، انشائیہ۔ فکشن، سائنس فکشن اور اس کے دوسرے الفاظ اور اصطلاحیں جن کا مفہوم اور تعبیریں ہیں۔ مختلف اوقات میں کثرت تعبیر کا شکار ہو کر مفہیم کے اندھیروں میں گم ہو رہی ہیں۔ کچھ لاعلمی اور کچھ کم تحقیق کے زخم خوردہ اور کچھ تاویل کے ناوک ناز کے شکار رہے ہیں۔ کم و بیش یہی سلوک اُردو فکشن کے نرگسی رجحانات و مباحث میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

پاکستانی اُردو فکشن میں نرگسیت کے نفسیاتی مباحث سے نرگسیت کے مفہوم و اصطلاح اور ابتدا کے بارے میں بحث موضوع کی سرایت میں کارگر ثابت ہوگی۔ نرگسیت کو انگریزی میں (Narcissism) کہتے ہیں۔ Narcissism کا لفظ Narcissus سے مشتق ہے جس کا ترجمہ فارسی میں نرگس کیا گیا ہے۔ "Narcissus" یا "نرگس" یونان کے ایک حسین و رعنا جوان بخت ماہ جبین کا نام تھا۔ یونانی نوجوان "نرگس" انتہائی قدرِ رعنا کا مالک تھا۔ ایک روز اس دلکش جوان پر ایکو (Echo) پری کی نظر پڑی اور وہ اس کے حُسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی مگر نرگس اس کے عشوہ و غمزہ کا اسیر نہ ہوا اور اس کی محبت کا ٹھکر ادا کیا۔ ایکو (Echo) پری اس صدمے کو برداشت نہ کر سکی۔ ایکو نے اپنے آپ کو ختم کر ڈالا۔ ایکو (Echo) کے انتقال سے دیوتاؤں کی دنیا میں ہلچل مچ گئی اور انتقام کی دیوی (Nemesis) نے نرگس کو سزا دینے کا عزم کر لیا۔ "نرگس" خود اپنے حُسن پر عاشق ہو گیا۔ وہ اپنی ہی محبت میں گرفتار آہ سرد بھرتے ہوئے اس دافانی سے کوچ کر گیا۔ جس جگہ اس کا نام پروردہ جسم خاک میں ملا تھا اُس خاک سے ایک حسین پھول نمودار ہوا جس کا نام نرگس پڑ گیا۔ نرگس کی خوبصورتی، اُس کے حُسن و جمال اور موت کے سلسلے میں مختلف آراء دیکھنے کو ملتی ہیں۔ سندیلوی (۱) لکھتے ہیں کہ:

"یونان کے اس ثروماں پرور سانحہ نے ادب میں ایک نئی راہ کھول دی۔ دنیا کے ادیبوں نے اپنے ادب میں ایسے افراد کو پیش کیا جن میں نرگسیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں اور جس کو اپنی ذات سے محبت ہے۔"

اس پس منظر کی روشنی میں دنیا کے ادبا و شعرا کے داخلی اور خارجی جذبات و احساسات میں نرگسی رجحانات سے مزین اصطلاح نے جگہ بنانی شروع کر دی۔ نرگسیت کی جھلک دنیا کے ہر ادب میں دکھائی دیتی ہے۔ ادب کے علاوہ نرگسیت کی اصطلاح دنیا کے علم نفسیات میں بھی رائج ہو چکی ہے۔ ماہرین نفسیات نے ایسے مریضوں کا مطالعہ کیا جن میں نرگسی رجحانات موجود تھے۔ فرائیڈ نے خاص طور پر نرگسیت کے نظریے پر روشنی ڈالی ہے۔ اس لیے اپنے ابتدائی دور میں لاشعور، شعوری مقاصد، نفسیاتی حد بندی، مقابلہ اور انسداد، خاص خواہشات کا وجود، طفلانہ جنسیت، ایغو اور قوتِ جنس کی تحریک وغیرہ کے مباحث کو پیش کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے دور میں نرگسیت، حیات اور موت کی جبلت، جبلی میلان، ایغو اور اعلیٰ ایغو کے نظریات پیش کیے گئے۔ الغرض یہ کہ نرگسیت فرائیڈ کی دین ہے اور تحلیل نفسی میں اس کو خاص مقام دیا جاتا ہے۔

نرگسیت کی اصطلاح جدید نفسیات کا عطیہ سہی لیکن یہ رجحان انسانی اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان، اُس کی روایات اور تہذیبی و سماجی محرکات۔ نرگسیت اُن اساسی میلانات میں سے ہے جو نفسی محرک کی صورت اختیار کر کے شخصیات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ فرائیڈ نے پی نیک (P. Nacke) کے حوالے سے نرگسیت کی تعریف کی ہے۔ بقول فرائیڈ (1899ء) میں پی نیک نے پہلی بار نرگسیت کو طبابت کی اصطلاح کے لیے استعمال کیا اور اس سے ایسے شخص کی دماغی کیفیت مراد لی جو اپنے جسم سے جنسی محبت کرتا ہے۔ رابرٹ ایس وڈور تھ (۲) کے مطابق:

"نرگسی انسان چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس کو کہتے ہیں جو اپنے سے محبت کرے۔ ایسا شخص آئینہ دیکھ کر اپنے حُسن کی تعریف کرتا ہے اور جنسی حظ حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے جسم کو بھی چمکارتا ہے اور پیار کرتا ہے۔ اُس کے اِس پیار کا انداز ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کوئی انسان کسی دوسرے انسان سے پیار کرے۔"

ماہر نفسیات کیرن ہارنی (Karen Horney) نے بھی نرگسیت کے دائروں پر روشنی ڈالی ہے اور نرگسیت کے مفہوم اور وسعت کو بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق نرگسیت کے دائرے میں خود ستائی، غرور، طلب و جاہ، جذبہ محبوبیت، دوسروں سے کنارہ کشی، خود داری، تصویریت، تخلیقی خواہشات اور شدید فکرِ صحت، شکل و شہادت اور ذہنی صلاحیت شامل ہیں۔

کیرن ہارنی کے قول کے مطابق نرگسیت کو تولیدی اعتبار سے پرکھنے کی بجائے اصلی مفہوم سے جانچا جائے۔ اگر غور کیا جائے تو اس کا مطلب خود ستائی ہے۔ یہ ایک قسم کی نفسیاتی تمکنت ہے جو اقتصادی تمکنت سے ملتی جلتی ہے۔ نرگسیت کا اسیر خود اپنی صلاحیت سے زیادہ تصور کرتا ہے۔ نرگسی انسان اپنی ذات سے ان خوبیوں کی بنا پر محبت کرتا ہے جو اس میں نہیں ہیں اور دوسروں سے ان محاسن کی وجہ سے محبت اور ستائش کا طلب گار ہوتا ہے جن سے وہ معرّا ہے۔ کیرن ہارنی کے خیال کے مطابق اگر کسی شخص میں کچھ خوبیاں واقعی موجود ہیں اور اس بنا پر وہ اپنی عظمت کو تسلیم کرنا چاہتا ہے تو وہ نرگسی انسان نہیں ہے۔ یہ دور جحانات یعنی اپنی ذات کو زیادہ اہمیت دینا اور دوسروں سے ناجائز طور پر عظمت طلب کرنا الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ان کا وجود بہ یک وقت انسان میں موجود ہوتا ہے۔

اُردو ادب میں فکشن کی تشکیل اور نرگسی جذب و احساس کے رجحانات اور عوامل و تناظر میں متنوع عناصر کی رنگ آمیزی نہایت ہی حسین قوس قزح کا روپ دھار کر ہمارے سامنے جلوہ فگن ہوتی ہے۔ اس دھنک رنگ قوس قزح میں اصلیت اور حقیقت کا سراغ لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ البتہ اُردو فکشن کی تشکیل کے مواد، ہیئت، موضوع اور صورت کے احوال کی تشکیل میں بعض عناصر ایسے ملتے ہیں جو اُردو فکشن کی ادبی تخلیقیت میں کارگر ثابت ہوتے ہیں، جو ادیب کے مخصوص جذبات و احساسات، واردات، کیفیات، افکار و خیالات اور اس کے ادراک و شعور کے تحركات کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ جب ادیب یافن کار زندگی کے خارجی پہلوؤں کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے جذبات میں تحرک پیدا ہوتا ہے۔ احساسات اور جذبات کی دنیا میں ارتعاش جنم لیتا ہے۔ اُس کے خیالات میں لہریں اٹھتی ہیں، اُس کے تخیل کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ سوچنے، سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی جانب اس کی طبیعت متوجہ ہوتی ہے۔ وہ کوئی رائے قائم کرتا ہے، کچھ نتائج اخذ کرتا ہے، کسی نقطہ نظر اور نظریہ حیات کی روشنی میں اس کی ماہیت کا سراغ بھی لگاتا ہے۔ اسی لیے ادیب کی پرواز فکر محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ حیات کے ہر پہلو پر نظر رکھتا ہے اور اس کی اصلیت و حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہی لامحدود اور کثرت آمیز رجحان اس کے اندر نرگسی میلانات کا پیش خیمہ بن کر سامنے آتا ہے۔ اسی سبب وہ اپنے سماج کے مسائل، اُس کی نفسیات اور معاشرتی ادغام میں پیوست نرگسیت آمیز نفسیاتی عوامل کی کڑیاں جوڑتا چلا جاتا ہے۔

ہمیں روزمرہ زندگی میں ایسی بے شمار مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں جس میں معاشرے یا سماج کے اکثر افراد کسی نہ کسی چیز کے شیدائی بن کر سامنے آتے ہیں یا اُن کا میلان ان کی جانب کثرت سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص دنیاوی مال و دولت اکٹھا کرنے کا شوقین ہے، وہ اس مال و اسباب کی شوریدہ سری کے لیے تگ و دو کرے گا۔ جیسے جیسے اُس کے اندر دولت کی ہوس بڑھتی جائے گی وہ زیادہ دولت

اکٹھی کرے گا پھر ایک وقت آئے گا کہ دولت کی محبت اس کے تمام حواس پر غلبہ پالے گی۔ اس کے اندر غرور و تکبر، خود پسندی کی شہوت اور خود ستائی جیسی خصوصیات جنم لینے لگیں گی۔ اسی طرح بچوں کو اپنی ماں کے ساتھ انسیت بھی نرگسی زمرے میں آئے گی۔

گویا جب ہم فکشن میں نرگسیت کی بات کرتے ہیں تو اُس میں جب ادیب یا فن کار کے تجربات و مشاہدات حد سے تجاوز کرتے ہیں تو ایک وقت ایسا آتا ہے جب اس کے تخیل کی دنیا میں ایسی ایسی دلفریب افسانوی کرداروں سے مزین تصویریں جلوہ افکن ہوتی ہیں جس کے اندر اُس کو مل ادائیں پری پیکر کا روپ دھار کر سامنے آ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اُس کی شخصیت کے داخلی و خارجی واقعات فکشن نگار کو خود پسندی، خود ستائی، جاہ و حشمت اور حُسن و عشق کے جنسی رجحانات کی جانب مائل کر دیتے ہیں۔

اُردو شاعری میں ایسے بہت سے شعرا ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں جن کے ہاں نرگسی رجحانات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جیسے ظہور الدین حاتم، شاہ مبارک آبرو، سراج اورنگ آبادی، اشرف علی فغان، درد، مرزا رفیع سودا، میر تقی میر، انشاء اللہ خاں انشاء، رگین، غالب، مومن، ناسخ، داغ دہلوی، اقبال، ریاض، اصغر گوٹوی، فانی، یاس یگانہ چنگیزی، فراق گورکھپوری، جوش ملیح آبادی، ساغر نظامی اور اختر شیرانی وغیرہ۔ ان کے ہاں نرگسی رجحانات واضح طور پر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مگر بعض شعرا کے ہاں نرگسیت کی ہلکی ہلکی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر غالب کے بعض اشعار میں عجز و انکسار موجود ہے مگر ان کے یہاں ایسے اشعار کم ہیں۔ ان کے مقابلے میں اُن کے یہاں خاندانی برتری کی بنا پر خود پسندی، انانیت اور خود ستائی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس کے لیے ہم ان کو نرگسی شاعر کے علاوہ شخصی اعتبار سے نرگسی انسان بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح سے ریاض خیر آبادی ایک حسین و جمیل انسان تھے چنانچہ اُن کے ہاں ہمیں حُسن و شباب کی مجسمہ سازی واضح نظر آتی ہے۔ دراصل ان پر جذبہ محبوبیت ہمیشہ حاوی رہا ہے۔ اسی بنا پر ان کو نرگسی شاعر کہہ سکتے ہیں۔ نرگسی انسان ہر حالت میں اپنی انا اور خودی کو بلند رکھنا چاہتا ہے اور سماج و معاشرے میں ایک اعلیٰ قسم کا مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ دو مختلف قسم کے حربے استعمال کرتا ہے۔ کبھی وہ اپنی خودداری کا اظہار کر کے خود کو قابلِ احترام بنانے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی وہ اپنی خود پسندی کو نمایاں کر کے دوسروں کو مرغوب کرنے کی جستجو کرتا ہے تو کبھی وہ ہم جنسی کے رجحانات کو بے نقاب کر کے اپنی ہی جنس پر اور اپنی ہی ذات پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ اپنی تخلیقی خواہشات کی تکمیل کر کے اپنی عظمت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، کبھی وہ تصویریت کے ذریعے سے عوام پر اپنے بلند نظریات کا سکہ جمانا چاہتا ہے تو کبھی دنیا سے بدرجہ مجبوری کنارہ کشی کا مرتکب ہوتا ہے۔ دراصل یہ تمام مدارج ایک نرگسی انسان کے نفسیاتی رجحانات کے مختلف روپ ہیں جس کو ایک فکشن نگار اپنی تخلیقات میں سمو دیتا ہے۔

اُردو فکشن کی تاریخ کے اوراق پر نگاہ ڈالی جائے تو ہمیں ایسے بہت سارے تخلیق کار نظر آئیں گے جن کے ہاں نرگسیت کے نفسیاتی عوامل کی عمیق پرچھائیاں واضح دکھائی دیتی ہیں۔ ناولوں میں ”امراؤ جانِ ادا“ (مرزا ہادی رسوا) سے لے کر ”ٹیڑھی لکیر“ (عصمت چغتائی) تک اور قراۃ العین حیدر ”آخری شب کے ہم سفر“ اور ”آگ کا دریا“ سے لے کر جیلہ ہاشمی کے ”تلاش بہاراں“ تک، کرشن چندر سے لے کر راجندر سنگھ بیدی تک اور غلام عباس سے لے کر ممتاز مفتی تک اور نسیم حجازی سے لے کر انتظار حسین تک ناولوں میں ہمیں جذباتیت، رومانویت، جنس پرستی، خود پرستی، تصویریت اور جاہ و حشمت کے نفسیاتی عوامل کی کشش واضح نظر آتی ہے۔ ان ناول نویسوں کے کردار سماجی و معاشرتی اور تہذیبی سطح پر نرگسیت کے میلان کی جانب مائل نظر آتے ہیں۔ ممتاز مفتی کا ناول ”علی پور کا ایل“، راجندر سنگھ بیدی کے افسانے ”لاجوتی“، ”لمبی لڑکی“، ”کوکھ جلی“، ”ایک عورت“ اور ناول ”ایک چادر میلی سی“، ”عصمت چغتائی کے ناول ”ضدی“، ”ٹیڑھی لکیر“، ”معصومہ“ اور ”سودائی“ اور حیات اللہ انصاری کا ناول ”لہو کا پھول“ نرگسیت کے میلانات سے مزین نفسیات کے جنسی رجحان پر پورا اُترتے ہیں۔ سعادت حسن منٹو اور ممتاز مفتی نے فنی لحاظ سے جنس نگاری کے نفسیاتی تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ انہوں نے اکثر مقامات پر اشاروں کنایوں میں بات کی ہے۔ ممتاز مفتی کی کوشش رہی ہے کہ ایل (الیاس اور شہزادے کے مابین) جو نفسیاتی و جنسی واقعات پیش آئیں وہ الفاظ کی کارگزاری کے ذریعے یعنی علامتی و استعاراتی انداز سے پیش کیے جائیں۔

پاکستانی فکشن کی سماجیاتی تشکیل میں نرگسیت کے نفسیاتی عوامل و رجحانات کا قطعی دائرہ کھینچنا ایسے ہی ہے جیسے کسی تمدنی و ثقافتی علم کی افادیت کا تعین کرنا۔ انسان کی زندگی جذبات و احساسات، ذکر و فکر، ہوش و خبر، نیت و اعمال کا مرکب ہے۔ اس میں انسان کی نفسیات کا کلیدی کردار ہے۔ فکشن نگار اپنے معاشرے کی سماجیات سے وابستہ بننے سنورتے کرداروں کے ساتھ محو سفر رہتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے تاریخی احوال اور نفسیاتی محرکات سے دور نہیں جاسکتا۔ فکشن نگار کی تخلیق سماجی و معاشرتی حالات کی سچی تصویر ہوتی ہے جس کا تعلق براہ راست زندگی کی نت نئی ابھرتی قدروں سے جڑا ہے۔ وہ صرف زندگی اور انسانیت کے احوال و حوادث کا نوحوہ سرا نہیں ہوتا بلکہ اُس کا نقاد بھی ہوتا ہے۔ وہ جمود کو توڑتا ہے، زندگی کو جدوجہد اور تڑپ دیتا ہے۔ اُس کی چڑھی ہوئی کمان سے ایسے تیر چلتے ہیں جو سکون، سنالے اور جمود کے جگر کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔ اس سے کسی بھی معاشرے کی سماجیات کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ وہ زندگی کے ساتھ دوڑتا ہے اور اس دوڑ میں اُسے زندگی کی بنتی سنورتی اور مٹی ہوئی اقدار کے کتنے نشیب و فراز ملتے ہیں۔ گویا فکشن نگار اپنی تخلیقات میں انسانیت کی جو پیکر آفرینی کرتا ہے اس میں نرگسیت کے نفسیاتی عناصر کا خاص کردار دیکھنے کو ملتا ہے۔ پاکستانی فکشن میں نرگسیت کی اصطلاح کا بھرپور استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔

دوسری اہم چیز جس پر نرگسیت کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے وہ سماج سے وابستہ افراد کے اجتماع اور ان کے باہمی اشتراکِ عمل کی صورت ہے۔ اس اعتبار سے سماجی رشتوں اور قدروں کو ایسے جال سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس کے بننے میں خاندانی نظام (جس میں مرد اور عورت برابر کے شریک ہوتے ہیں) اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انسانی سماج کا وجود اور اس کے ارتقا کا عمل مرد و زن کے تصور اشتراک کی بغیر ناممکن ہے۔ عورت اور مرد کی باہمی کوششوں اور اُن کے اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی سے ہی نظام تمدن قائم ہوتا ہے۔ جب انسان نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کر لیں اور سائنسی ایجادات و اختراعات نے انسان کو زیست کی حقیقتوں سے آشنا کر دیا تو فطری طور پر محض خیالوں کی دنیا آباد کرنے والی کہانیوں اور اساطیر میں دلچسپی لینے کی بجائے معاشرہ توڑ پھوڑ کا شکار ہونے لگا۔ اس چیز کے اظہار کے لیے فکشن نگار نرگسیت کی نفسیاتی سطح کو بروئے کار لانے لگے کیوں کہ منطق، فلسفے اور تجربے کی روشنی میں تخیل پر مبنی بہت سے واقعات بے بنیاد نظر آتے ہیں مگر پاکستانی فکشن نگاروں نے حیات کی تمام تر نزاکتوں اور حقیقتوں کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے تہذیبی و ثقافتی سطح پر ہمارے سماج کے نشیب و فراز اور تبدیلیوں کا خاکہ ایسے انداز میں پیش کیا کہ اس خاکے میں اپنے زمانے کی تہذیبی اور معاشرتی نرگسیت کے پس پردہ اقدار کی کشمکش کا رزم نامہ جلوہ فگن ہو جاتا ہے۔

بیسویں اور اکیسویں صدی میں نفسیاتی موٹو گرافیوں نے ایک نیا رخ اختیار کیا تو فکشن نگاروں نے اپنی تخلیقات میں فرائیڈ، ینگ، مارکس اور کیرن ہارنی کے نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے نرگسی رجحانات و میلانات کے حامل کرداروں کو پیش کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے سیاسی و معاشرتی مسائل کے علاوہ سماجی حقیقت نگاری، مثالیت پرستی، رومانوی آہنگ سے مزین جس پہلو پر توجہ صرف کی، اس میں جنس پرستی کی حامل انسانی نفسیات نے بھی اہم کردار نبھایا۔ سعادت حسن منٹو، ممتاز شیریں، عزیز احمد، ممتاز مفتی، عبداللہ حسین، شوکت صدیقی، انور سجاد، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، بانو قدسیہ، اشفاق احمد، انتظار حسین، جمیلہ ہاشمی، احمد ندیم قاسمی، رضیہ فصیح احمد، عمرہ احمد وغیرہ نے پاکستانی معاشرے کی جنسی سماجیت کے نفسیاتی مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ قدرت اللہ شہاب، حسن عسکری، علی عباس حسینی، غلام عباس، مستنصر حسین تارڑ، خواجہ احمد عباس، مسعود مفتی، سجاد ظہیر، الطاف فاطمہ، حجاب امتیاز علی، جیلانی بانو، شکیلہ رفیق، عذرا اصغر اور علی اکبر ناطق وغیرہ نے وجودیت، انا پرستی، خود داری، تصویریت اور جنس پرستی کے میلانات کو کھل کر پیش کیا ہے۔

پاکستانی اردو فکشن میں عورتوں کی سماجی حیثیت اور اُن کے مسائل کو بھی موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ نو تشکیل شدہ معاشرے میں عورتوں کے مختلف طبقات، اُن کے مسائل، اُن کی معاشی و سیاسی صورتِ حال کو الگ الگ حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔ طبقہ اشرافیہ اور جاگیر دارانہ ماحول و معاشرت کی عورتوں کی زندگی بھی ہے، نچلے طبقے کی عورتوں کے مسائل اور طوائف کی چادر میں لپٹی نسوانیت کی

نرگسیت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ نئی مملکت پاکستان کی کہانی میں جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ اقدار و نظام میں عورتوں کی استحصالی صورت حال میں پنہاں بے بسی کی کہانی بھی ہے۔ عبداللہ حسین کے ناول ”اُداس نسلیں“ میں دونوں طبقوں کی عورتوں کی زندگی اور ان کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ایک طرف جاگیر دارانہ ماحول اور سماج کی لڑکیاں ہیں جن کی طرز معاشرت اور مسائل مختلف ہیں۔ ”عذرا“ کا کردار ان کی نمائندگی کرتا ہے۔ جمیلہ ہاشمی کے ناول ”تلاش بہاراں“ میں کنول کماری کے کردار میں عورت کا ایک آدرش ملتا ہے۔ کنول کماری ایک ایسا جاندار کردار ہے جس نے اپنی محبت سے ٹھا کر کو سنوارا اور نکھارا ہے۔ کنول کماری مجسمہ ”حُسن، باصلاحیت، قوم پرست، مصلح، انصاف پرور، سیکولر، دردمند، بے لوث اور خوددار ہے۔ اس کے تصور فکر میں پاکستانی تہذیبی نرگسیت کی جھلک ابھر کر سامنے آتی ہے۔

رضیہ فصیح احمد کا ناول ”انتظار موسمِ کل“ جدید طرز معاشرت، مغربی فیشن پرستی اور بڑھتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کی افادیت اور جاگیر دارانہ طرز معاشرت کی تمام تر لعنتوں کو بیان کرتا ہے۔ انہوں نے پاکستانی سماجیت کے دوہرے معیار کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ان کے کردار نفسیاتی الجھاؤ کا شکار ہیں۔ خدیجہ مستور کے ناول ”آنگن“ کے کردار اور خاص طور پر نسوانی کردار بھی نرگسیت کے نفسیاتی عوامل و مظاہر کا پیش خیمہ ہیں۔ پاکستانی ناول نگاروں کی بات کی جائے تو ممتاز مفتی کا ناول ”علی پور کا ایللی“ ”نرگسی رجحانات و میلانات کا عکاس ہے۔ اس کا مرکزی خیال جنسی نفسیات ہے۔ عصمت چغتائی کے ناول ”ٹیڑھی لکیر“ کے بعد اس نوع کا یہ واحد ناول ہے۔ بقول پاشا (۳) کے خیال میں:

”عصمت چغتائی کی طرح ممتاز مفتی نے بھی فرائیڈ اور مارکس دونوں نظریات سے استفادہ کیا ہے۔ فرائیڈ کے نظریے کے مطابق انسان کا ہر فعل جنسی تحریک سے متعین ہوتا ہے۔ جب کہ مارکسی فلسفہ انسان کی فطرت، اس کی نفسیات اور اس کی شخصی تعمیر و تشکیل میں خارجی عوامل و مظاہر کا اہم کردار ہے۔“ علی پور کا ایللی ”میں ان دونوں نظریات کا امتزاج پایا جاتا ہے۔“

ایلی ایک جنس زہ ماحول کا پروردہ کردار ہے۔ اس کا باپ علی احمد جنسی قربت کا بھوکا بلکہ مریض ہے۔ عیاشی اور جنس پرستی اس کے مزاج میں داخل ہے۔ بے راہ روی اُس کی پہچان ہے۔ ایلی کی پرورش اسی ماحول میں ہوتی ہے۔ باپ کے رویے، اس کے سلوک اور ماحول کے ردِ عمل میں اس کے اندر جنسی و نفسیاتی گہریں پڑ جاتی ہیں۔

علی احمد اور ہاجرہ مسرو کے ہاں بھی نفسیاتی نرگسیت اور تہذیبی نرگسیت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سے ہی نو تشکیل مملکتِ خداداد کو بہت سے اقتصادی، سماجی اور تہذیبی مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ ہندوستانی معاشرہ جو تقسیم کے قبل ایک اکائی کی صورت میں اُجاگر ہو رہا تھا اب تقسیم کے بعد ہندوستانی اور پاکستانی میں بٹ گیا تھا۔ گویا مہاجرین کی آمد کے ساتھ ہی معاشرتی انتشار، زمینوں کی الاٹ منٹ، ناجائز قبضے، ہزاروں خواتین کی عصمت ریزی، سرحد کی دونوں اطراف لاکھوں بے گناہ لوگوں کی خون ریزی اور بگڑتی ہوئی معاشی صورتِ حال کو اُردو فکشن نگاروں نے اپنی تخلیقات میں پیش کیا ہے۔ کرشن چندر کا افسانہ ”مہاکشمی کا پُل“ اور سعادت حسن منٹو کا افسانہ ”ٹوبہ ٹیک سنگھ“ اس کی واضح مثال ہیں۔ ”فضل دین“ پاگل جس کو صرف اپنی جگہ ”ٹوبہ ٹیک سنگھ“ سے انتہا درجے کی محبت ہے اور یہی محبت اس کے نرگسی میلان کی عکاس ٹھہرتی ہے۔ جب بشن سنگھ نے مروندوں کی پوٹلی لے کر پاس کھڑے سپاہی کے حوالے کر دی اور فضل دین سے پوچھا:

"ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے؟" فضل دین نے قدرے حیرت سے کہا "کہاں ہے۔۔۔ وہیں ہے، جہاں تھا۔" بشن سنگھ نے پھر پوچھا "پاکستان میں یا ہندوستان میں" اس پر فضل دین کا بوکھلا جانا اور بشن سنگھ کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکلنا "اوپڑ دی گڑ گڑادی انکس دی بے دھیانادی منگ دی دال آف پاکستان اینڈ ہندوستان آف دی در فٹے منہ۔" (۴)

1971ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے سانحے نے پاکستانی اقدار کے اندر ایک بے چینی اور ہیجانی کیفیت کو فروغ دیا۔ نائن الیون کے بعد امریکہ کی افغانستان پر بمباری اور بڑھتی دہشت گردی نے افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں کو عصری مسائل پر قلم اٹھانے پر راغب کیا۔ چنانچہ قیام پاکستان سے لے کر موجودہ عہد تک پاکستانی معاشرہ، معاشی و سماجی، تہذیبی و تمدنی اور سیاسی و مذہبی اعتبار سے بگاڑ کا شکار رہا ہے۔ آئے روز نئے شکوفے پھوٹتے ہیں۔ ان بگڑتے حالات اور نفسا نفسی کے عالم میں ہمارے معاشرے میں نرگسی رجحانات اور نفسیاتی عوامل کا در آنا ایک فطری وصف ہے۔ چنانچہ پاکستانی فکشن نگاروں نے اس معاشرتی نرگسیت میں پنہاں ناسٹیلجیائی کیفیات کو اپنی تخلیقات میں سمو دیا ہے۔ شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی"، انتظار حسین کا ناول "بستی"، رضیہ فصیح احمد کا ناول "صدیوں کی زنجیر"، مستنصر حسین تارڑ کا "راکھ"، "بہاؤ"، "قربتِ مرگ" اور بانو قدسیہ کا "حاصل گھاٹ" پاکستانی معاشرے کی بحرانی کیفیات کو پیش کرتے ہیں۔ رئیس (۵) لکھتے ہیں کہ:

"پاکستان کی سرمایہ پرستانہ طبقاتی معاشرے میں مذہب کے نام پر جن بہیمانہ جرائم کی سرپرستی ہے اور جمہوریت کے نام پر انسان کی آواز اور اس کے حقوق کو جس طرح پامال کرنے کی سازشیں ہوتی ہیں۔ شوکت صدیقی نے بڑی جسارت اور فصاحت سے ناول کے پیچیدہ پلاٹ میں انہیں سمونے کی کوشش کی ہے۔"

افسانہ نگاری کا مقصد اس دنیا میں نوح انسانی کی حیات کی گرہ کشائی کرنا ہے۔ چناں چہ اس حیات افروزی سے وابستہ محرکات کا اشتراکیت، جمہوریت، آزادی، غلامی، آمریت، مذہبی اجارہ داری، طبقاتی کشمکش اور تنگ نظری، نسلی برتری، معاشی جبریت، نفسیاتی پیچیدگیاں، جنسی الجھنیں اور معاشرتی ناہمواریاں نرگسیت کی حامل ٹھہرائی جاسکتی ہیں۔ منٹو، حسن عسکری، ممتاز شیریں، ممتاز مفتی، قدرت اللہ شہاب، عبداللہ حسینی، ہاجرہ مسرور، عزیز احمد، مرزا حامد بیگ وغیرہ کے نام سامنے آتے ہیں جنہوں نے فرد کے لاشعور میں جھانک کر ان محرکات کا کھوج لگانے کی جستجو کی جو ذہنی اور نفسیاتی سطح پر فرد میں نرگسی رجحانات کا موجب بنتے ہیں۔

قدرت اللہ شہاب نے کرداروں کی بوالعجبیوں اور بعض کج رویوں کا مطالعہ کر کے نفسی پیچیدگیوں کو آشکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ علی عباس حسینی نے سیاسی اور سماجی کہانیوں کے ساتھ ساتھ نفسیاتی تجربات بھی کیے ہیں۔ رومانویت پسندی، عشق و محبت کا بیان اور حقیقت پسندانہ رویہ علی عباس حسینی کا امتیازی وصف ہے۔ "خالی گود" افسانہ کا پورا ماحول جنسی ہے۔ "پیا سا" اور "طمانچہ" افسانے مذہبی نرگسیت کے حامل ہیں۔ "بھوک" بھی اسی نوعیت کا افسانہ ہے جس میں حسینی نے یہ حقیقت عیاں کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان نہ صرف پیٹ کی بھوک محسوس کرتا ہے بلکہ جنسی بھوک بعض اوقات زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے۔ "برف کی سل"، "غسل خانے میں"، "سیلاب کی راتیں"، "حسن راہ گزر" میں جنسی نرگسیت کو پیش کیا گیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے ہاں عشق و محبت کے جذبات کی عکاسی سماجی محرکات کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔ ان کے ہاں نہ اُس رومانیت کے لیے گنجائش ہے جو خواہشات کو بے لگام چھوڑنے سے پیدا ہوتی ہے اور نہ اُس لذتیت کے لیے جو ذہنی اور اخلاق عدم توازن کا نتیجہ ہے۔ قاسمی کے افسانوں میں انسان کی جنسی اور حیاتیاتی زندگی محض جمالیاتی سطح پر نہیں بلکہ ایک وسیع چوکھٹے کے اندر اپنی جگہ رکھتی ہے۔ جہاں زندگی کے دیگر نرگسی عوامل جیسے خود داری، انانیت، تصویریت اور جاہ و حشمت جا بجا نظر آتی ہے۔ "کجری" افسانہ اس کی عمدہ مثال ہے۔ سلیم اختر نے جنسی محرومیوں اور جنسی نا آسودگیوں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ "محبوبہ ایک طوائف"، "غسل سے پہلے"، "زن مرید"، "تختہ مشق"، "کڑوا بادام" وغیرہ جنسی نرگسیت پر مبنی افسانے ہیں۔

پاکستان اُردو فکشن نے عہدِ جدید کے رزم نامے میں پاکستانی معاشرے اور سماج سے وابستہ زندگی کے پیچ و خم، شکست و ریخت، تخریب و تعمیر، تضاد و تصادم اور آویزش کی بنی بگڑتی کیفیات اور نفسیاتی رجحانات و عوامل کو احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔ پاکستان کی تہذیبی و تمدنی زندگی کی تصویر کشی جس طرح اُردو فکشن کے ذریعے کی گئی ہے شاید ہی کسی دوسری صنف کے ذریعے ممکن ہو۔ اُردو فکشن میں نہ صرف معاشرے اور سماج کے افراد کی اجتماعی و انفرادی ذات کے نفسیاتی عوامل و مظاہر کو پیش کیا گیا ہے بلکہ اس کے طفیل داخلی تضاد و تصادم اور اس کے نرگسی محرکات کو بھی گرفت میں لایا گیا ہے۔ چنانچہ اُردو فکشن میں نرگسیت کی اصطلاح کے استعمال کی بدولت پاکستانی قوم اور سماج کی فکری اور نظریاتی فضا کو اجاگر کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ سندیلوی، ڈاکٹر سلام، اُردو شاعری میں نرگسیت، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو)، 1973ء، ص: 27
- ۲۔ Wood Worth, Robert S, Contemporary School of Psychology, (New Delhi: Asia Publishing House), 1961, P:182
- ۳۔ پاشا، ڈاکٹر انور، ہندوپاک میں اُردو ناول تقابلی مطالعہ، (نئی دہلی: پیش رو پبلی کیشنز)، 1992ء، ص: 147
- ۴۔ منٹو، سعادت، منٹو نے (منٹو کے شاہکار افسانے)، (راولپنڈی: زمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز)، 2017ء، ص: 437
- ۵۔ رئیس، ڈاکٹر قمر، تلاش و توازن، (دہلی: خرم پبلی کیشنز، بار اوّل)، 1968ء، ص: 53